

رسول کی حیثیت شخصی اور حیثیت نبوی

پچھلے دنوں دمشق کے ماہنامہ "المسلمون" میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب تنبیہات حصہ اول کے دو مضمون "آزادی کا اسلامی تصور" اور "اتباع و اطاعت رسول" شائع ہوئے تھے۔ پہلے مضمون کے شائع ہونے کے بعد دمشق کے ایک صاحب کا اس کے متعلق "المسلمون" میں ایک استفسار شائع ہوا جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے :

"کیا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام باعتبار انسان ہمارے اندر ایک عام فرد کی حیثیت رکھتے ہیں؟ اور باعتبار انسان ان کے اندر بھی ایسی ذاتی خواہشات پائی جاتی ہیں جن کی بنا پر وہ لوگوں پر اپنی ذاتی غلط کاستہ جمائیں اور اپنے شخصی اقتدار کے پیچھے میں جکڑیں؟ اگر یہ صورت ہے تو آپ کا بحیثیت نبی معصوم ہونا اور بحیثیت انسان محفوظ ہونا چہ معنی دارد؟ آپ کی اس زندگی کی تفصیلات کیا ہیں جب کہ آپ محض انسان تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر سرفراز نہیں فرمایا تھا؟ اور کیا رسول ہونے کے بعد آپ کی یہ حیثیت بحیثیت بشری اور بحیثیت نبوی یکجا ہو گئی ہیں یا الگ الگ ہیں؟ اور کیا ان دونوں حیثیتوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا جاسکتا ہے؟ تاکہ محمد الرسول کی اطاعت کی جائے اور محمد الانسان کی مخالفت میں ہم آزاد ہوں؟ کیا اس تفریق کے لیے کوئی قاعدہ کلیہ بھی موجود ہے جس کی روشنی میں ہم آپ کے انسانی کلام — جس سے اختلاف کا نہیں حق ہے — اور نبوی کلام — جو واجب الاماعت ہے — کے درمیان خط امتیاز یکجہ نکلیں؟ کیا نبی کی ذاتی رائے سے اختلاف کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے؟ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے اندر یہ روح پھونکتے تھے کہ بحیثیت انسان آپ کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ بلکہ اپنی ذاتی رائے سے اختلاف کرنے میں ان کی ہمت افزائی کرتے تھے نیز کیا یہ درست ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی محبت اور دلیل کی بنا پر آپ سے بحیثیت انسان اختلاف کیا تھا...؟

اس استفسار کا رخ چونکہ دمشق ہی کے ایک مشہور عالم محمد منتصر اللہ تائی کی طرف تھا اس لیے مولانا

موردی نے از خود اس کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہ کی، لیکن اس کے بعد جب المسلمون میں مولانا کا دوسرا مضمون شائع ہوا تو مولانا کو ادارہ المسلمون کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں انہوں نے لکھا کہ ان دونوں مضمونوں میں یہاں ایک طرح کا تعارض محسوس کیا جا رہا ہے، جسے رفع کرنے کی ضرورت ہے اس پر مولانا نے المسلمون میں شائع ہونے کے لیے جو مضمون بھیجا ہے، اسے ہم قارئین ترجمان القرآن کی اطلاع و استعداد کے لیے ذیل میں نقل کر رہے ہیں — م۔ ع۔ ح۔

”المسلمون جلد ہشتم، شمارہ ۶، ۷ اور ۸ میں میرے جو مضامین ”آزادی کا اسلامی تصور“ اور ”اتباع و اطاعت رسول“ کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں، ان کے متعلق مجھے توجہ دلائی گئی ہے کہ ان میں تناقض محسوس ہوتا ہے، جسے رفع کرنے کی ضرورت ہے۔ یعنی پہلے مضمون میں تو کہا گیا ہے کہ نبی کی حیثیت شخصی اور حیثیت نبوی الگ الگ ہیں اور اسلام کی دعوت صرف حیثیت نبوی کی اطاعت کی طرف ہے نہ کہ حیثیت شخصی کی اطاعت کی طرف۔ لیکن دوسرے مضمون میں اس بات سے انکار کیا گیا ہے کہ نبی کی یہ دو حیثیتیں الگ الگ ہیں اور پورے اصرار کے ساتھ کہا گیا ہے کہ نبی کی ایک ہی حیثیت تھی اور وہ تھی صرف نبی ہونے کی حیثیت۔ ان دونوں باتوں میں تو فحوق و تطبیق کی کیا صورت ہے؟

علاوہ بریں میرے پہلے مضمون ”آزادی کا اسلامی تصور“ پر دمشق سے ایک صاحب نے کچھ سوالات کیے ہیں، جو المسلمون کے شمارہ ۷ میں درج ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان سوالات کا رخ استاذ محمد المنتصر الکسانی کی طرف ہے، جن کا جواب اگر شائع ہو جائے تو انشاء اللہ میرے لیے بھی مفید ثابت ہوگا، لیکن چونکہ یہ سوالات میرے مضمون پر وارد کیے گئے ہیں، اس لیے مجھ پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ فاضل متفسر کی تشفی کی کوشش کروں۔

یہ دونوں اعتراضات چونکہ ایک دوسرے سے قریبی تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ایک ہی مختصر مضمون میں ان کا جواب دے رہا ہوں۔

در اصل اس مسئلے کے دو پہلو ہیں۔ ایک نظری، اس اعتبار سے کہ حقیقت نفس الامر کیا ہے؟ دوسرا عملی، اس لحاظ سے کہ جہاں تک نبی کی ذات سے ہدایت اخذ کرنے کا تعلق ہے، آیا وہ ہمارے لیے پورا

کا پورا نبی اور صرف نبی ہے یا ہم اس کی شخصیت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے صرف اس کی حیثیت نبوی کا اتباع اور اسی کی اطاعت کریں گے اور حیثیت شخصی کو چھوڑ دیں گے؟

اب پہلے نظری پہلو کو دیکھیے۔ قرآن مجید اس معاملہ میں بالکل واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیثیت شخصی اور حیثیت نبوی میں فرق ہے۔ وہ انسانوں کو اپنا بندہ بنانے کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بنانے کے لیے بھیجے جاتے تھے، مَا كُنْ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ ثُمَّ يَقُولُ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّاءَ بَيْنَكُمْ، کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے ربانی مہز، (آل عمران ۷۹)۔ ان کے سپرد دو فریضے ایک ساتھ کیے جاتے تھے۔ ایک یہ کہ لوگوں کو ہر غیر اللہ کی بندگی سے نکالیں جس میں دوسری سب مخلوقات کے ساتھ ان کی اپنی ذات بھی شامل تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کو صرف ایک اللہ کی بندگی میں داخل کریں؛

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ
اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (نحل ۳۶)
قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ
شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ
اللَّهِ (آل عمران ۶۴)

ہم نے ہر قوم میں دینے پر پیام دے کر، ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے الگ رہو۔
کہو اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔

دین میں ان کی بے چمن و چرا اطاعت کا جو حکم دیا گیا، وہ ان کے ذاتی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اس بنا پر تھا کہ رسول ہی وہ شخص ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی مرضی ظاہر فرماتا اور اپنے احکام بھیجتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت قرار دی گئی ہے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ
ہم نے جو رسول بھیجا ہے، اسی لیے بھیجا ہے کہ اذنِ خدا کی

کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔ (النساء: ۶۴)

اور:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ
جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی
(امسا۔ ۸) اطاعت کی۔

اس کے ساتھ یہ امر بھی قرآن اور کثرت احادیث سے ثابت ہے کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے نہیں بلکہ اپنی رائے سے کی یا کہی ہے اس میں بے چون و چرا اطاعت کا وہ مطالبہ آپ نے کبھی نہیں کیا جو امر الہی کے تحت کوئی کام کرنے یا کوئی بات کہنے کی صورت میں کیا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں میں نے اپنے مضمون "آزادی کا اسلامی تصور" میں پیش کی ہیں خصوصاً حضرت زید کا حضور کے منع فرمان کے باوجود سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا اور اللہ اور اس کے رسول کا ان پر کوئی نکیر نہ کرنا تو اس کی صحیح مثال ہے جس کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی جو میں نے اپنے اس مضمون میں کی ہے۔ اور تاہم نخل ولے معاملے میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلے کو بالفاظ صریح فرما چکے ہیں:

انما انا بشر اذا امرتكم بشيء من
دينكم فخذوا به واذا امرتكم بشيء من
دائي فانما انا بشر — انما ظننت ظناً
فلا تأخذوني بالظن ولكن اذا حدثتكم
من الله شيئاً فخذوا به فاني لم اكنذب على الله
— انتم اعلم بامر دنياكم وصحيح مسلم،
كتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قاله شرعاً
دون ما ذكره صلى الله عليه وسلم من معاش الدنيا
على سبيل الروای

میں بھی ایک انسان ہی ہوں جب میں تم کو تمہارے دین کے
متعلق کوئی حکم دوں تو اسے مانو اور جب میں اپنی رائے سے
کچھ کہوں، تو بس میں بھی ایک انسان ہی ہوں — میں نے
اندازہ سے ایک بات کہی تھی تم میری ان باتوں کو نہ لو، جو
گمان اور رائے پر مبنی ہوں۔ ہاں جب میں خدا کی طرف سے
کچھ بیان کر دوں تو اس کو لے لو، اس لیے کہ میں نے خدا پر
کبھی جھوٹ نہیں بانڈھا — تمہیں اپنے دنیوی معاملات
کا زیادہ علم ہے۔

علی سبیل الروای

یہ تو ہے نظری اور اصولی فرق۔ اب اس کے عملی پہلو کو لیجیے۔

در اصل یہ ایک بڑا نازک اور پیچیدہ معاملہ تھا کہ ایک بشر کو اللہ تعالیٰ اپنا واحد نمائندہ بنا کر انسانوں کے

درمیان اس دوسری خدمت پر مامور نہ ملے کہ ایک طرف تو وہ بشر اپنے انہائے نوع کو اپنی شخصیت سمیت تمام مخلوقات کی بندگی سے آزاد کرے اور خود اس آزادی کی انہیں تربیت دے، اور دوسری طرف وہی بشر ان کے اللہ کی مکمل، بے چون و چرا اطاعت کر لے اور اس اطاعت کا مرجع بھی تمام عملی اغراض کے لیے اس بشر کی اپنی ہی ذات من حیث الرسول ہو۔ یہ دو متضاد کام ایک ہی شخصیت کو یک وقت کرنے تھے اور ان کے حدود ایک دوسرے کے ساتھ اتنے گتھے ہوئے تھے کہ خود اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی دوسرا ان کے درمیان خط امتیاز نہ کھینچ سکتا تھا۔

اس معاملہ کی نزاکت اور پیچیدگی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب ہم تین باتوں پر غور کرتے ہیں: اول یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت احکام الہی کے تحت اپنی اطاعت کرتے تھے اُس وقت تو ظاہر ہی ہے کہ آپ ایک وظیفہ رسالت انجام دیتے تھے، مگر جس وقت آپ اپنے انتہائی اطاعت گزار متبعین کو خود اپنی ذات کی ذہنی غلامی سے آزاد کر کے حریت فکر و رائے کی تربیت دیتے تھے، جب آپ اُن کو اپنی شخصی آراء کے مقابلے میں اختلاف کی سمیت دلا کہ تمام انسانوں کے سامنے استقلالِ فکر بڑنا سکتا ہے تھے، اور جب آپ اپنی حیثیت شخصی اور حیثیت نبوی میں خود ایک خط امتیاز کھینچ کر بتاتے تھے کہ یہاں تم آزاد ہو اور یہاں تمہارے لیے سب و طاعت کے سوا چارہ نہیں ہے، اُس وقت بھی دراصل آپ وظیفہ رسالت ہی کا ایک حصہ ادا فرماتے تھے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر ہمارے لیے آپ کی حیثیت شخصی اور حیثیت نبوی کے فرق کو سمجھنا اور عملاً ان دونوں حیثیتوں میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسرے سے اس طرح ملی جلی نظر آتی ہیں کہ ان کے درمیان صرف نظری فرق رہ جاتا ہے، عملاً اپنی شخصی حیثیت میں بھی کام کرتے وقت آپ نبوت ہی کا ایک کام کرتے پائے جاتے ہیں۔

مثلاً جو معاملات بظاہر بالکل شخصی معاملات ہیں، مثلاً ایک انسان کا کھانا، پینا، کپڑے پہننا، نکاح کرنا، بیوی بچوں کے ساتھ رہنا، گھر کا کام کاج کرنا، غسل اور طہارت اور رنج حاجت وغیرہ، وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں خالص نجی نوعیت کے معاملات نہیں ہیں، بلکہ انہی میں شرعی حدود اور طریقوں اور آداب کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ شامل ہے، اور آدمی کے لیے خود یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ان میں کہاں حیثیت

رسالت ختم ہوتی ہے اور حیثیت شخصی شروع ہو جاتی ہے۔

ثالثاً، قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ نبی کی ذات بحیثیت مجموعی ایک اسوہ ہے جس کا ہر پہلو اور ہر رخ ہمیں ہدایت کی روشنی دیتا ہے اور اس ذات کا کوئی فعل اور قول بھی ہوائے نفس یا ضلالت و غمایت سے ذرہ برابر بھی آلودہ نہیں ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ

تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین اسوہ ہے

حسنة (الاحزاب: ۲۱)

اے نبی ہم نے تمہیں (لوگوں کے لیے) گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کے اذن سے اللہ کی طرف بلانے والا اور ایک روشن چراغ بنایا ہے۔

یا ایہا النبی انا ارسلناک شاحداً ومبشراً
ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنیہ وسراجاً منیراً
(الاحزاب: ۴۵-۴۶)

تمہارا صاحب (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ بدراہ ہوا اور نہ گمراہ ہوا اور جو کچھ وہ کہتا ہے، ہوائے نفس کی بنا پر نہیں کہتا۔ اس کی بات کچھ نہیں ہے مگر وحی جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

ما صلت صا حبکم وما غوی وما یبیطق
عن المہدی، ان ہوا لادھی اوجی -
(النجم: ۲، ۳، ۴)

ان وجوہ سے نہ تو عملاً ہمارے لیے یہ ممکن ہے اور نہ شرعاً ہم اس کے مجاز ہیں کہ بطور خود ہم نبی کی حیثیت شخصی اور حیثیت نبوی میں فرق کریں اور آپ ہی آپ اس کے حدود متعین کر لیں، اور خود ہی یہ بھی طے کر لیں کہ فلاں امور آپ کی حیثیت نبوی کے تحت تھے جن میں ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور فلاں شخصی حیثیت میں تھے جن میں ہم آپ کے اتباع اور اطاعت سے آزاد ہیں اس فرق کے معلوم ہونے کا ذریعہ یا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تصریح ہو سکتی ہے، یا پھر وہ اصول شریعت جو آپ ہی کی دی ہوئی تعلیمات سے مستنبط ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ صحابہ کرام اپنی رائے ظاہر کرنے سے پہلے آپ سے دریافت کر لیتے تھے کہ آپ کا ارشاد یا عمل حکم الہی کی بنا پر ہے یا اپنی ذاتی رائے پر، اور جب معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ آپ کی ذاتی رائے سے ہے، تب وہ اپنی بات عرض کرتے تھے چنانچہ غزوہ بدر میں حضرت حباب بن المنذر نے اپنی رائے پیش کرنے سے پہلے پوچھ لیا کہ اس مقام کا انتخاب وحی کے

فریے سے کیا گیا ہے جس سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے، یا یہ محض ایک تدبیر جنگ کے طور پر ہے؛ اسی طرح غزوہ خندق میں حضرت سعد بن معاذ نے بنی غطفان سے صلح کی تجویز پر اظہار رائے کرنے سے پہلے دریافت کر لیا۔ اے اللہ کے رسول! کیا یہ ارادہ وحی کی بنا پر فرمایا گیا ہے کہ اس میں ہمارے لیے مجال کلام نہیں ہے، یا حضور صرف اپنی رائے سے ایسا کرنا چاہتے ہیں؟

اور بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی یہ ظاہر فرمادیتے تھے کہ فلاں بات آپ اللہ کی طرف سے ایک حکم دینی کے طور پر نہیں فرما رہے ہیں بلکہ اپنی شخصی رائے ظاہر فرما رہے ہیں، جیسا کہ اوپر تاہر نخل کے معاملہ میں حضور کے ارشادات گزر چکے ہیں۔

اور بعض اوقات معاملہ کی نوعیت ہی ایسی ہوتی تھی جس سے خود بخود یہ ظاہر ہوتا تھا کہ حضور کا ارشاد اپنی شخصی حیثیت میں ہے۔ مثلاً حضرت زید سے آپ کا فرمانا کہ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ مَاتَ اللہُ اپنی بیوی کو طلاق نہ دوا اور اللہ سے ڈرو۔ اس ارشاد کے متعلق یہ بات ظاہر تھی کہ یہ ایک مومن کو نبی کا حکم شرعی نہیں ہے بلکہ ایک خاندان کے فرد کو بزرگ خاندان کا مشورہ ہے۔ اسی وجہ سے حضرت زید نے حضور کے ارشاد کے باوجود حضرت زینب کو طلاق دی اور اللہ اور اس کے رسول کے اس پر کوئی نکیر نہ کرنے سے یثبات ہو گیا کہ حضرت زید نے آپ کے فرمان کی نوعیت ٹھیک شخص کی تھی۔

یہ تو وہ مثالیں ہیں جو حضور کی حیات طیبہ میں پیش آئی تھیں۔ ان کے علاوہ متعدد معاملات ایسے ہیں جن میں اب بھی اصول شریعت کی روشنی میں اس فرق کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً حضور کے لباس اور آپ کے کھانے کے معاملہ کو لیجیے۔ اس کا ایک پہلو تو یہ تھا کہ آپ ایک خاص وضع اور قطع کا لباس پہنتے تھے جو عرب میں اس وقت پہنا جاتا تھا اور جس کے انتخاب میں آپ کے شخصی ذوق کا دخل بھی تھا۔ اسی طرح آپ وہی کھانے کھاتے تھے جیسے آپ کے عہد میں اہل عرب کے گھروں میں پکتے تھے اور ان کے انتخاب میں بھی آپ کے اپنے ذوق کا دخل ہوتا تھا۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ اسی کھانے اور پہننے میں آپ اپنے عمل اور قول سے شریعت کے حدود اور اسلامی آداب کی تعلیم دیتے تھے۔ اب یہ بات خود حضور ہی کے سکھائے ہوئے اصول شریعت سے ہم کو معلوم ہوتی ہے کہ ان میں سے پہلی چیز آپ کی شخصی حیثیت سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری چیز حیثیت نبوی سے

اس لیے کہ شریعت نے جس کی تعلیم دینے کے لیے آپ اللہ کی طرف سے مامور کیے گئے تھے، انسانی زندگی کے اس معاملہ کو اپنے دائرہ عمل میں نہیں لیا ہے کہ لوگ اپنے لباس کس تراش غراش اور وضع قطع پر پہن لیں، اور اپنے کھانے کس طرح پکائیں، البتہ اس نے یہ چیز اپنے دائرہ عمل میں لی ہے کہ کھانے اور پینے کے معاملے میں حرام اور حلال اور جائز اور ناجائز کے حدود متعین کرے اور لوگوں کو ان آداب کی تعلیم دے جو اہل ایمان کے اخلاق و تہذیب کے مناسبت رکھتے ہیں۔

یہ فرق خواہ ہم کو حضور کی تصریح سے معلوم ہو یا آپ کے سکھائے ہوئے اصول شریعت سے، بہر حال اس کے علم کا ذریعہ نبی کی تعلیم ہی ہے۔ گویا ہم آپ کی حیثیت شخصیت کے کام کو متعین کرنے کے لیے بھی آپ کی حیثیت نبویہ ہی کی طرف رجوع کریں گے حیثیت شخصیت سے براہ راست ہمارا کوئی معاملہ نہیں ہے جو آپ کی حیثیت نبویہ کو نظر انداز کر کے ہم کر سکتے ہوں۔ یہی وہ چیز ہے جس پر میں نے اپنے دوسرے مضمون اتباع و اطاعت رسول میں منکرین سنت کو متنبہ کیا ہے۔ ان کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ محمد بن عبد اللہ باعتبار رسول اور محمد بن عبد اللہ باعتبار انسان میں خود تفریق کر کے ان دونوں حیثیتوں کے کاموں میں ایک خطا امتیاز کھینچ دیتے ہیں اور آپ کی زندگی کے جس دائرے کو وہ خود آپ کی حیثیت رسالت سے الگ سمجھ بیٹھے ہیں، اس کے تابع اطاعت سے خود ہی انہوں نے آزادی اختیار کر لی ہے۔ حالانکہ حضور کی شخصی اور نبوی حیثیتوں میں حقیقت کے اعتبار سے جو بھی فرق ہے، وہ عند اللہ وعند الرسول ہے اور ہمیں اس سے صرف اس لیے آگاہ کیا گیا ہے کہ ہم کہیں عقیدے کی گمراہی میں مبتلا ہو کر محمد بن عبد اللہ کو اللہ کے بجائے مطاع حقیقی نہ سمجھ بیٹھیں۔ لیکن امت کے لیے تو عملاً آپ کی ایک ہی حیثیت ہے اور وہ ہے رسول ہونے کی حیثیت۔ ختمی کہ محمد بن عبد اللہ کے مقابلے میں اگر ہم کو آزادی حاصل بھی ہوتی ہے، تو وہ محمد رسول اللہ کے عطا کرنے سے ہوتی ہے اور محمد رسول اللہ ہی اس کے حدود متعین کرتے ہیں امداس آزادی کے استعمال کی تربیت بھی ہم کو محمد رسول اللہ ہی نے دی ہے۔ ان توضیحات کے بعد اگر میرے دونوں مضمونوں کو ملاحظہ کیا جائے تو کوئی غلط فہمی باقی نہیں رہ سکتی۔